اسلامی ثقافت کے آئینے میں
نوجوان نسل کا کردار (۲)

ازقلم : عبدالماجد
لیکچرر بائیالوجی، گورنمنٹ کالج، اکوڑہ خٹک (نوشہرہ)

فنونِ جمیلہ و فنونِ لطیفہ[۱] اور اسلام

جیسا کہ بیان کیا ہے کہ اسلام ایک دین ہے اور ایسا ضابطۂ حیات ہے جس کے تمام اجزاء ایک کل میں مربوط ہیں اور اس کا مقصد فرد و معاشرہ کی اصلاح و تعمیر ہے۔ اس کے اپنے کچھ اخلاقی و روحانی معیار اور پیمانے ہیں اور اپنا ایک مزاج اور تشخص ہے۔ اور فنونِ جمیلہ اور فنونِ لطیفہ[۲] کی حیثیت اس کے مقابلے میں دین یا زندگی کے نہج و اسلوب کی نہیں محض ذرائعِ ابلاغ کی ہے۔

اسلام جمالیاتی نقطۂ نظر (Aestheticview) کی اہمیتوں کو تسلیم کرتا ہے لیکن صرف اس حد تک کہ اس سے ذرائع ابلاغ، تعمیر اور بلند کرداری کا کام لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام جمالیات اور فنونِ لطیفہ (Fine Arts) سے یہ کام لینا چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے انسانی فکر کی زلفِ دوتا سنور جائے اور اس کے کردار و عمل میں

۱۔ فنون لطیفہ (Fine Arts) میں تصویر کشی، خطاطی، موسیقی، معماری، تزئین و آرائش اور انسانی مدد و تفریح کے پہلو شامل ہیں۔

۲۔ چونکہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد مسلمانوں نے مختلف فنون میں کہیں کہیں تجاوزات کیں اور اسلامی حدود کو پھلانگ لیا اس لئے ہمیں دو طرح کی اصطلاحات کا استعمال کرنا چاہیے۔ یعنی اسلامی میراث اور مسلمانوں کی میراث یا ثقافت۔ اس لئے جہاں اسلامی اصولوں کا خیال نہیں رکھا گیا وہ غیر اسلامی میراث ہے جیسے موسیقی، مجسمہ سازی وغیرہ میں حد سے زیادہ تجاوز۔ چنانچہ ایسی میراث اور ثقافتی ورثہ کا مٹ جانا ہی بہتر ہے۔

حسن و جمال کی تابانیوں کو اس ڈھب سے سمودیا جائے جس سے شرفِ انسانیت کی روایات زندہ و تابندہ نظر آئیں۔

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

اسلام[۳] فن برائے فن کے نظریہ کو فرسودہ قرار دے کر فن برائے تعمیر کے نظریہ کو رواج دینا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک اصل اہمیت اس حسین و جمیل عقیدہ اور اس سے پھوٹنے والے عمل کی ہے جس کو قرآن عمل صالح کہہ کر پکارتا ہے۔ **John Keats** نے بجا طور اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ حسین تحریر و انشاء (اور دوسرے فنون) کا مقام بہرحال حسنِ عمل کے بعد ہے' یعنی پہلے کردار و عمل کی استواری اور پاکیزگی کا درجہ ہے' اس کے بعد تحریر و انشاء کی اہمیت ہے[۴]۔

رقص و مجسمہ سازی بمقابلہ (verses) اسلام

اسلامی تہذیب و ثقافت سابقہ اور موجودہ تمام ثقافتوں سے اس باب میں ممتاز ہے کہ اس کا منتہائے مقصود احترامِ آدمیت ہے۔ ع اصلِ تہذیب احترامِ آدم است! اس لئے اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ عورت' جسے ماں بننا ہے' جسے بلند کردار اور پاکیزہ نگاہ افراد کو جنم دینا ہے' اور جسے گھر کی چاردیواری کی حد تک اور اسی طرح باہر بھی عفاف' اخلاص' متانت' وقار اور انسانی شرف کے تقاضوں کو ملحوظ و زندہ رکھنا ہے سرِعام ناچ اور جسم کے پیچ و تاب کا اس طرح اظہار کرے کہ ہر دیکھنے والا کلیجہ تھام کے رہ جائے (بلکہ اس طرح مرد کو بھی ناچنے اور رقص کی اجازت نہیں جیسا کہ

۳۔ اس سے یہ بات نہیں سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام تفریح کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام نے بعض مواقع پر موسیقی مثلاً دف بجانے اور ملی نغمے گانے کی اجازت دی جیسے نکاح' ختنہ یا سفر کٹنے کے لئے' لیکن ان میں اس کی کچھ حدود ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا محمد شفیع کی کتاب "اسلام اور موسیقی" شائع کردہ مکتبہ دینیات' لاہور۔

۴۔ اس آرٹیکل میں مولانا محمد حنیف کے مضمون "اسلام کے تصور ثقافت" کے علاوہ "نقوشِ اقبال" ص ۹۸' ۹۹ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

موجودہ گلوکار اور اداکار کرتے ہیں۔)

مغرب نے اگر اس کی حوصلہ افزائی کی ہے تو اب اس کی سزا اسے مل رہی ہے۔ آج وہ گھر کے اس سکون، اس روحانیت اور تقدس سے محروم ہے جس کو ایک عفیف و پاکباز عورت ہی قائم رکھ سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رقص و سرود سے کلب آباد ہیں مگر اس کی وجہ سے گھروں میں جو سناٹا ہے اور ازدواجی تعلقات میں نفاق کی جو عفونت ہے وہ کس درجہ تکلیف دہ[۵] ہے (**اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِکَ الْکَرَبِ**) اسی طرح مجسمہ سازی، جس سے شرک پھیلتا ہے، اسلامی فقہ و تہذیب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

الغرض اسلامی ثقافت ہمارا وہ قیمتی اثاثہ ہے جسے ہم نے سلف صالحین سے ورثہ میں پایا ہے، جو کہ توحید، وحدتِ انسانیت، احترامِ آدمیت، اخوت، رواداری اور علم کے قیمتی موتیوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت (**الدّین**) کے یہی وہ اصول اور بنیادیں ہیں جنہیں سینے سے لگا کر ہمارے اسلاف چار دانگِ عالم میں پھیل گئے اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی وجہ سے یورپ (اور اسی طرح امریکہ اور روس جو کہ اِسوقت اپنے آپ کو سائنس و ٹیکنالوجی کا امام اور واحد اجارہ دار سمجھتے ہیں) کی شبِ تاریک (ساتویں صدی سے تیرہویں صدی تک) میں علم کا آفتاب طلوع ہوا جس کی ضیا پاشیوں سے بالآخر یورپ کا Dark Period اختتام پذیر ہوا جو کہ یورپ اور مغرب کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) پر منتج ہوا۔

چنانچہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا وہ تاریخی کارنامہ ذرا تفصیل سے نوجوان نسل کے سامنے رکھ دیا جائے اور بعد ازاں مسلمانوں کے زوال کے اسباب بھی بیان کردیئے جائیں تاکہ نوجوان نسل بفحوائے حدیث "مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا" کے مطابق اپنے کردار و عمل کو اس طرح سنوارے تاکہ وہ دوبارہ اسلامی تہذیب کو صحیح صورت میں جلوہ گر دیکھ سکے اور اس طرح بارِ دگر دنیا کو "**مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ**" کی راہ دکھا کر جنت کی ابدالآباد خوشیوں اور نورانیت سے ہم کنار کر سکیں۔

۵۔ عورت کی آوارگی کے نتائج بد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم کی کتاب "اسلام اور عصرِ رواں" اور انہی کی "میری آخری کتاب"

مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے[۶]

نیک اگر بینی مسلماں زادہ است
ایں گہر از دستِ ما افتادہ است
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد
علم و حکمت را بِنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے قرآن اور اسوۂ رسولؐ سے راہنمائی حاصل کر کے زندگی کے ہر شعبہ میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی۔ انکے قدم جہاں بھی پہنچے' ساتھ ہی علم کی شمعیں بھی وہاں فروزاں کیں۔ چنانچہ مکہ' مدینہ ' یمن' دمشق' قاہرہ' اسکندریہ' کوفہ' بصرہ اور نیشاپور ہی میں نہیں بلکہ شام ' مصر' عراق' ایران' اور ہندوستان کے دورافتادہ علاقوں میں بھی علمی درسگاہیں قائم کیں۔الرشیدیہ' امانیہ' ترخانیہ' خالونیہ' شریفیہ (شام میں) ' رمیہ' صلاحیہ (مصر میں)' المستنصریہ اور نظامیہ جیسی عظیم درسگاہیں اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ عہدِ اسلامی میں اندلس میں کئی کالج اور دینی ادارے کھولے گئے۔ تنہا قرطبہ میں کئی سو درسگاہیں تھیں جن میں دینی علوم کے علاوہ فلسفہ' ادب ' تاریخ اور سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔علاوہ ازیں اشبیلیہ' غرناطہ' ملاقہ ' سمرقند' اصفہان' مرو' بخارا اور حلب وغیرہ میں مسلمانوں کے دور میں عظیم یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔

ادھر مسلمان علمی اور سائنسی ترقی کی وجہ سے شہرت کے آسمان پر ستارے بن کر چمک رہے تھے تو دوسری طرف "یورپ کے باشندوں میں وحشت و بربریت تھی۔ ان کی نسبت بڑی مشکل سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس وحشیانہ حالت سے باہر نکلیں گے۔ یہ لوگ جنگلوں میں جھونپڑے بنا کر رہتے تھے اور گھاس پر چلتے تھے۔ برے حالوں لوبیا' باقلا' اور پیڑوں کی چھال تک کھا کر گذارہ کرتے۔ ادھر یورپ کے جنوب مغربی حصے کی طرف

۶۔ اس آرٹیکل میں زیادہ تر "مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے" اور "طوفان سے ساحل تک" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

توجہ دیں تو دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ شمالی افریقہ کے عرب آباد کاروں نے آکر ایک تابناک تہذیب پروان چڑھائی[۷]"۔۔۔۔اور بقول سٹینسلاس: "ازمنۂ وسطٰی میں اسلام ہی کی تاریخ بنفسہٖ تہذیب و تمدن کی تاریخ ہے[۸]۔"

آج جو یورپ' امریکہ' روس یا کہیں بھی سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی نظر آتی ہے' حقیقت میں وہ سب اسلام ہی کا صدقہ ہے۔ بقول موسیو گار مٹن (فرانسیسی مستشرق) "اسلام ہی نے دنیا کی علمی اور عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے۔ اگرچہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا اعتراف نہ کرے مگر امر واقعی یہی ہے[۹]۔"

ے
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

لیکن جب مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسولؐ سے ہدایت حاصل کرنا چھوڑ دی' ان کی بجائے مسلمانوں میں عجمی افکار و تصورات پھیل گئے تو پھر اسلام ایک نظامِ عمل اور طریقۂ زندگی کے بجائے صرف عبادات اور (عیسائیت کی طرح) روحانی ترقی تک (عجمی تصوف کی وجہ سے) محدود ہو کر رہ گیا اور یوں دین اور دنیا کی تفریق شروع ہوئی۔ چنانچہ ان میں علمی شوق اور جذبۂ جہاد' جو ان کی تہذیب و تمدن کو فروزاں کئے ہوئے تھا' سرد پڑ گیا۔ نتیجۃً عالمی سیاست و قیادت کا عالی منصب جو کہ امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتسلیم کے ہاتھوں میں تھا' غیر اقوام نے چھین لیا جس پر وہ آج تک قابض ہیں[۱۰]۔

۷۔ ملاحظہ ہو ڈریپر کی کتاب "Intellectual Development of Europe" کا ص ۲۷' ۲۸

۸۔ "Encyclopedia of Religion" بحوالہ "مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے" از مولوی نور احمد۔ شائع کردہ فیروز سنز' کراچی' لاہور' راولپنڈی۔

۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "محمد رسول اللہ' غیر مسلموں کی نظر میں" از حنیف یزدانی

۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب" از الحاج عبدالکریم جرمانوس

نوجوان نسل غیروں کی ثقافت کی یلغار میں

اس سے پہلے کہ نوجوان نسل کا کردار بیان کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موجودہ حالت بیان کردی جائے۔ بیسویں صدی ایک لحاظ سے اگرچہ مبارک ہے کہ اس میں اکثر اسلامی ممالک نے استعماری طاقتوں سے نجات حاصل کی اور یوں سیاسی لحاظ سے تو آزاد ہوئے لیکن (لمبے سیاسی غلبے کے اثر کی وجہ سے) ذہنی لحاظ سے وہ ابھی تک غلام ہیں۔ ان کے تعلیمی ادارے' ان کے دفاتر' ان کے بازار' ان کی انجمنیں' ان کی رٹیاں' ان کے گھر حتیٰ کہ ان کے اپنے جسم زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ

ع وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

نوجوان نسل مغرب کے دماغ سے سوچتی ہے' مغرب کی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور مغرب کی بنائی ہوئی راہوں پر چل رہی ہے۔ شعوری اور لاشعوری طور پر ان کے اذہان پر یہ مفروضہ مسلط ہے کہ حق وہ ہے جس کو مغرب حق سمجھتا ہے اور باطل وہ ہے جس کو ساحرانِ فرنگ باطل قرار دیں۔ حق' صداقت' تہذیب و ثقافت' اخلاق' شائستگی' ہر ایک کا معیار ان کے نزدیک وہی ہے جو مغرب نے مقرر کیا ہے ع کہ ہرچہ ساقیِٔ ما ریخت عین الطاف است!

ادب ہو کہ موسیقی' اخبار ہو کہ فلمیں' وِڈیو ہو کہ ٹی وی' ہر جگہ غیر اسلامی شعار واطوار اپنائے جارہے ہیں اور ان کی پیروی میں نوجوان نسل بھی ایسا ہی کر رہی ہے۔ کوئی ڈرامہ اور فلم ایسی نہیں دکھائی جاتی جس میں عورت کے حسن کی نمائش نہ کی جاتی ہو۔ نوجوان شاعروں اور ادیبوں کے قلم سے کوئی ایسا شاہکار نہیں نکلتا جس میں عورت کے حسن وجمال کا ذکر نہ ہو اور بقولِ اقبال ؂

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نگار
آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

رقص و سرود کی محفلوں اور پاپ سنگر کے گانوں اور ایکٹنگ کے بغیر پارٹی مکمل ہی نہیں سمجھی جاتی اور مہمان نوازی ادھوری سمجھی جاتی ہے جب تک کہ کھانے کے بعد انڈیا کی کوئی عریاں فلم (Blue Print) یا کم از کم پاکستانی فلم وی سی آر پہ نہ دکھائی

جائے۔[۱۱] ہندو بار بار دھمکیاں دے رہا ہے کہ وہ پاکستان کو سبق سکھا کے چھوڑے گا اور ہم (زندہ دل!) اس کا جواب پتنگوں' ڈوروں' پٹاخوں' ناچ گانوں اور شور شرابے[۱۲] سے دے رہے ہیں۔ سیاچین گلیشیرز پر ہماری فوج ۲۴ ہزار فٹ کی بلندی پر محاذ آرا ہے اور قوم یوں جشن منارہی ہے جیسے وہ بھارت کو فتح کرچکی ہے۔

مغربی ثقافت کے پھیلاؤ کی وجوہات

بالجملہ سامراجی ثقافت اور اطوار کے پھیلاؤ کی بڑی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے جدید ذرائعِ ابلاغ کا بغیر کسی منصوبہ بندی کے اسلامی ممالک میں گھس آنا۔

۲۔ فحش لٹریچر اور غیر ملکی گندے اور رکیک قسم کے ناولوں اور رسائل کا پھیلاؤ اور بڑے شہروں میں جگہ جگہ میوزک سنٹرز کا قیام۔

۳۔ نوجوان نسل کی صحیح علمی و فکری رہنمائی کی عدم موجودگی' علماء اور دانشور حضرات کی اپنے فرضِ منصبی سے غفلت اور کوتاہی۔

۴۔ مغربی نظامِ تعلیم کی وجہ سے ایمان اور آخرت پر یقین کی کمزوری۔

مناسب ہے کہ یہاں مؤخرالذکر دو اسباب پر ذرا تفصیل سے بحث ہوجائے (اول الذکر دو اسباب پر گذشتہ صفحہ پر بات ہوچکی ہے اور آئندہ صفحات میں بھی ان پر کچھ کلام ہوگا۔)ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جو قوم کا مغز (Kernel) ہوتا ہے اور یہی طبقہ مستقبل میں کسی ملک اور معاشرے کی لگامِ اقتدار سنبھالتا ہے (اگر یہ صحیح ہوجائے اور اپنے اندر بلند

۱۱۔ پہلے تو دوستوں سے سنا کرتا تھا لیکن اس بار کراچی (مہمانی پر) جانے کا اتفاق ہوا تو عملی طور پر اس بات کا مشاہدہ بچشم خود کیا۔

۱۲۔ ۱۲فروری کو پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص ہندوؤں کا یہ تہوار بڑے جوش و خروش اور ذوق و شوق سے منایا گیا جس پر کئی لاکھ روپے (بلکہ ایک اخبار کے مطابق ۳ کروڑ روپے) خرچ کیے گئے۔ لیکن دوسرے دن اخبار میں پڑھا کہ "بسنت" میں ۲۰۰ سے زیادہ آدمی زخمی ہوئے اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا۔ یہ ہیں غیروں کی ثقافتی اقدار اپنانے کے ثمرات۔ (فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ) (پاکستان ٹائمز' ۱۳ فروری ۱۹۸۸ء)

کردار پیدا کر لے تو عوام خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ عموماً اپنے مقتداؤں کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں) مغربی نظامِ تعلیم کی وجہ سے غیر کے چنگل میں گرفتار ہے اور اگر کوشش بھی کرے تب بھی اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس نظامِ تعلیم نے اس کے رگ و ریشہ میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔

مغربی نظام تعلیم (گرچہ مغربی تعلیم حقیقتاً مشرقی اور مسلمانوں کی میراث ہے اور وہ کسی صورت میں بُری نہیں صرف اس میں مغربی واضعینِ تعلیم کے عقائد و نفسیات اور انسان و کائنات کے بارے میں ان کا مخصوص نقطۂ نظر قبیح ہے) اسلامی ممالک میں گہری قسم کی لیکن خاموش نسل کُشی (Genocide) کے ہم معنی ہے اور جدید عُقَلائے مغرب نے پوری نسل کو ہلاک کرنے کی بجائے ان کے ذہن کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کا فیصلہ کیا ہے اور بقولِ اکبر مرحوم۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اقبال وہ مردِ مجاہد ہے جو مغربی تہذیب میں پلا بڑھا اور بالآخر مغربی نظامِ تعلیم سے نئی نسل کو اس طرح باخبر کیا۔

مباش ایمن اَزُو علمے کہ خوانی
کہ اَزوے روحِ قومے می تواں کشت

مزید کہتے ہیں۔

خوش تو ہم بھی ہیں جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ!

اور۔

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت

اور بقول علامہ محمد اسد "اسلام اور مغربی تمدن زندگی کے دو متضاد نظریوں پر قائم ہیں اور

ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے۔ جب واقعہ یہ ہے تو ہم کیسے توقع کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل مغربی بنیادوں پر تعلیم و تربیت (جو مجموعی طور پر یورپ کے علمی و ثقافتی تجربوں پر مبنی ہے) پاکر مخالفِ اسلام اثرات سے پاک ہوسکتی ہے[۱۳]"

اسلامی ثقافت کو عملی طور پر زندہ کرنے کا واحد راستہ: نظامِ تعلیم کی تبدیلی

یہ کام اگرچہ کتنا مشکل اور دیر طلب کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا اس کا کوئی حل نہیں کہ موجودہ نظامِ تعلیم کو مسلمان قوم کے عقائد و مسلّمات اور مقاصد و ضروریات کے مطابق ڈھالا جائے اور اس کے تمام علوم و مضامین سے مادہ پرستی' خدا بیزاری' مذہب بیزاری (Theophobia)' اخلاقی اور روحانی اقدار سے بغاوت اور جسم پرستی کی روح نکال کر اس میں خدا پرستی' آخرت کوشی' تقویٰ شعاری اور انسانیت کی روح پیدا کی جائے۔ یہ کام موجودہ نسل کے ایسے باشعور افراد ہی کرسکتے ہیں جنھوں نے مغربی علوم اور جدید سائنس کے ساتھ اسلامی علوم میں بھی گہری بصیرت پیدا کی ہو۔ اور بقول مولانا مودودی "اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر سے جوان ہو اور زمانے کے پیچھے چلنے کی بجائے آگے چلنے لگے تو اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ قائم کیجئے۔ مگر اس کو قائم کرنے کی صورت یہ نہیں کہ دینیات کے نصاب کو جسمِ تعلیم کی گردن کا قلادہ یا کمر کا پشتارہ بنا دیا جائے' نہیں اس کو نظامِ تعلیم و تربیت میں اس طرح اتار دیجئے کہ وہ (اسلامی روح) اس کا دورانِ خون' اس کی روحِ رواں' اس کی بینائی' اس کی سماعت' اس کا احساس و ادراک اور اس کا شعور و فکر بن جائے اور مغربی علوم و فنون کے تمام صالح اجزاء کو اپنے اندر جذب کرکے اپنی تہذیب کا جزو بنایا جائے۔ اس طرح آپ مسلمان فلسفی' مسلمان سائنس دان' مسلمان ماہرِ معاشیات' مسلمان مقنّن' مسلمان مدبّرین' غرض تمام علوم و فنون کے ماہر تیار کرسکیں گے جو زندگی کے تمام مسائل کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے حل کریں گے[۱۴]"۔

اسی طرح دینی مدارس میں رائج درسِ نظامی میں بھی جدید دور کے تقاضوں کے

۱۳۔ Islam at the Cross Roads

۱۴۔ تنقیحات از مضمون "مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل" مصنفہ ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم۔

مطابق توسیع ہونی چاہئے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور دینی مدارس کے مہتمم حضرات ایسا نظامِ تعلیم مرتب کریں جو عصرِ حاضر کے تقاضوں اور مسائل کا منہ توڑ جواب دے سکے۔

آج یونانی فلسفوں کا دور نہیں رہا بلکہ سرمایہ دارانہ نظام' سوشلزم' مسئلۂ وطنیت' ڈاروِنزم اور فرائیڈازم نے جدید مسائل پیدا کردیئے ہیں اس لئے دینی مدارس میں قرآن و حدیث کے ساتھ جدید علوم اور طبعی سائنسز (Physical sciences) کا کورس شامل ہونا چاہئے تاکہ فارغ التحصیل نوجوان "مولوی" ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مقنن' ایک سائنس دان اور ایک ماہر معاشیات بھی ہوں جو فلاسفہ جدید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا جواب دے سکیں اور اس طرح نوجوان نسل کو اسلام سے مطمئن کر سکیں[۱۵]

آج ہمارے نوجوان علماء کو فقہی و فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور کفر کے فتوے لگانے کی بجائے ٹھوس علمی دلائل سے اسلام کے بارے میں جدید ذہن کے شبہات کو دور کرنا ہے۔[۱۶]

علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان وسیع خلیج کو پُر کرنا:

اگر ہم ایک نئی علمی تنظیم کو جنم دینے میں کامیاب ہوگئے اور مغربی نظامِ تعلیم میں تبدیلی اور درسِ نظامی میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق توسیع کردی تو پھر وہ خلیج خود بخود ختم ہوجائے گی جو عرصۂ دراز سے علمائے کرام اور جدید نسل کے درمیان حائل ہے اور اس طرح تمام تعلیم یافتہ نوجوان (چاہے وہ دینی مدارس سے فارغ ہوں یا کالجوں اور یونیورسٹیوں سے) مل کر بہتر طور پر اسلام کی خدمت کر سکیں گے اور دنیا کو بتا سکیں گے کہ اسلام ہی سب سے اعلیٰ دین ہے اور موجودہ تمام مسائل کا حل ہے۔

۱۵۔ مزید تفصیلات اور اصلاحات کے لئے ملاحظہ ہو سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "اسلامی ممالک میں اسلامیت اورمغربیت کی کشمکش" اور مولانا شہاب الدین ندوی کی کتاب "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ' قرآن کی نظر میں"

۱۶۔ پروفیسر طاہرالقادری کی کتاب "موجودہ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" اور مولانا محمد شفیعؒ کی کتاب "وحدتِ امت"

کامیاب علمی تردید اور احیاءِ حکمتِ دین

یہ زمانہ علمی نظریات کا زمانہ ہے۔ اِس دور میں اسلام کے سوا (الا ماشاء اللہ) تمام نظریات کے قائلین اپنے اپنے نظریات کی علمی و عقلی توجیہہ اور مدافعت بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی ترقی کے کسی دور میں باطل کی طرف سے ایسا خطرناک چیلنج کبھی نہیں دیا گیا جیسا کہ اب دورِ حاضر کے افکار نے دیا ہے۔ اس وقت فلسفی' ماہرِ تاریخ' ماہرِ معاشیات اور ماہرِ نفسیات سب مل کر حق اور سچائی کی جڑوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ میکانکی وحیاتیاتی ارتقاء (Mechanical and Biological Evolution) ' تحلیلِ نفسی (Psycho-Analysis) حکمیاتی سوشلزم' تاریخی مادیت' منطقی اثبات (Logical Positivism)' کرداریت' وجودیت (Existentialism)' نازی ازم' فرائیڈازم' نیچرلزم' لا ادریت اور نیشنلزم کے نظریات' جنکی مقبولیت (ان کے قائلین کی کوششوں سے) بڑھ رہی ہے' دین و مذہب کی بنیادوں کو غلط قرار دے رہے ہیں۔

چنانچہ نوجوان نسل کو ان کے علمی چیلنج کا جواب دینا اور اس کی یقین افروز تردید کرنا ضروری ہے۔ ان نظریات کا جواب دیتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ان کا جواب دورِ حاضر کے علمی معیار پر پورا اترے اور اپنے استدلال اور تکنیک اور طریقہ سے دنیا بھر کے چوٹی کے سائنس دانوں اور حکماء کو مطمئن کرسکے ورنہ وہ جواب کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا۔

لیکن نو جوان نسل اس وقت تک جدید نظریات کی اعلیٰ پائے کی تردید نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ روحِ قرآن کو نہ سمجھے' اور روحِ قرآن سے واقفیت قرآن و سیرتِ رسولؐ' صحابہ کرامؓ اور ائمہ و صلحائے امت کی زندگیوں کا براہِ راست مطالعہ' کثرتِ عبادت اور رسول پاکؐ کی ذات بابرکات سے محبت و عقیدت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی' کیونکہ ۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است

اس لئے نوجوان نسل کو مذکورہ بالا شرائط پر عمل کرتے ہوئے علومِ جدیدہ کے ساتھ دینی

علوم میں بھی گہری بصیرت پیدا کرنی ہے اور تحقیق و تفحص کی تمام کوششوں کو بروئے کار لا کر اسلام کی ایک نہایت ہی معقول اور دلکش توجیہہ (Interpretition) کرنی ہے جو حقیقی بھی ہو اور افراط و تفریط سے پاک بھی ہو۔ کیونکہ فی زمانہ صرف اور صرف مسلمان ہی ہیں جن کے پاس تمام معقول اور دلکش تصورات کا حقیقی سرچشمہ یعنی عقیدۂ توحید موجود ہے۔ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے اور اسی کوانسان اور کائنات کے صحیح اور سائنسی نظریئے کے طور پر اختیار کر سکتا ہے۔

بقیہ: حکمتِ اقبال

فطرتِ اُو سوئے ظلمت بُردہ رخت　　　حق ز تیغِ خامۂ اُو لخت لخت
بت گری مانندِ آزر پیشہ اش　　　بست نقشِ تازۂ اندیشہ اش
مملکت را دینِ اُو معبود ساخت　　　فکرِ او مذموم را محمود ساخت
بوسہ تا بر پائے ایں معبود زد　　　نقدِ حق را بر عیارِ سُود زد
باطل از تعلیمِ او بالیدہ است　　　حیلہ اندازی فنے گردیدہ است
طرحِ تدبیرِ زبوں فرجام ریخت　　　ایں خسک در جادۂ ایّام ریخت

اقبال نے ۱۹۳۵ء میں سالِ نو کے موقعہ پر ایک بیان آل انڈیا ریڈیو پر نشر کیا تھا' جس میں اُس نے کہا تھا:

"جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ اور نسل کے امتیازات کو نہ مٹایا جائے گا اُس وقت تک انسان اِس دنیا میں فلاح وسعادت کی زندگی بسر نہ کر سکیں گے اور اخوّت اور حریّت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوں گے۔"